© rasailojaraid.com

محمد الیاس میراں پوری

سید عطاء المحسن بخاریؒ* کا اسلوبِ نگارش

(کالم نگاری کے حوالے سے)

سید عطاء المحسن بخاری کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ جن میں شاعری، کالم نگاری اور خطابت نمایاں ہیں۔ خطابت میں تو انھیں موروثی ملکہ حاصل تھا۔ ان کے مطالعہ کی وسعت، گیرائی اور گہرائی، ان کی علمی گفتگو، لب ولہجہ، اسلوبِ نگارش، ان کی تراکیب، انتخابِ الفاظ اور موضوع پر گرفت، غرض کون سی خوبی تھی جو اُن میں نہیں تھی اور وہ اس میں ممتاز و منفرد تھے۔ انھوں نے مسلسل تین سال روزنامہ ”خبریں“ میں ”دل کی بات“ کے عنوان سے مستقل کالم لکھے۔ شاہ جی تحریک آزادی کے عظیم مجاہد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند تھے۔ جن کا سلسلۂ حریت اُس قافلے سے ملتا ہے جس نے فرنگی سامراج کو برصغیر پاک و ہند سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

شاہ جی کے کالموں کے مطالعے سے فوری طور پر کالم نگاری کی مربوط خصوصیات ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً یک مصرعی عنوان، دلچسپی کا عنصر، جزئیات نگاری، سلاست، وسعتِ مطالعہ، خطیبانہ آہنگ، علمی و ادبی معیار، نظریاتی وابستگی، شگفتگی، بے ساختگی، منفرد تراکیب، اسلامی روح، جرأت و بے باکی، وسعتِ نظر، غیر جانبداری اور مخصوص طرزِ نگارش وغیرہ۔ شاہ جی کے کالم بیک وقت اِنھی خوبیوں کا مرقع رہے ہیں جس سے قاری ذہنی آسودگی اور روحانی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔

شاہ جی اپنے ایک کالم ”نہیں لذتِ کردار، نہ افکارِ عمیق“ میں لکھتے ہیں:

> ”پاکستانی قانون جو باقیاتِ افرنگ ہے اس کو بھی اگر فرنگی خبیث کے انداز میں نافذ کیا جائے تو ان حرام خوروں اور حرام کاروں کو بھی لقمۂ حلال نصیب ہوسکتا ہے۔ انھیں حرام خوری سے بچایا جاسکتا ہے۔ مگر اشرافیہ کے اسرافِ جمہوریت کا کمال یہ ہے کہ یہ فرنگیانہ صفت بھی ان میں نہیں ہے۔“

اس اقتباس میں شاہ جی نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر مغربی طرز زندگی ہی گزارنا ہمارے اشرافیہ کا نصب العین ہے تو کیوں نہ مغرب کی طرح قانون کی عمل داری میں زندگی گزاری جائے تاکہ کچھ تو اس ملک میں قانون کی پاسداری ہوسکے۔ ہم نے مغرب کی خوبیاں تو نہیں اپنائیں البتہ برائیاں اپنے تہذیبی رچاؤ کو خلط ملط کرنے کے لیے اپنالی ہیں۔ نتیجتاً ہم اپنی آنے والی نسلوں کو تہذیبِ مغرب کے سوا کچھ نہیں دے سکتے۔ ہم اپنی تہذیب تو کیا تمدن سے بھی دستبردار

*انتقال: ۱۲؍نومبر ۱۹۹۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم لسانی، مذہبی اور فروعی تنازعات میں اتنے الجھ چکے ہیں کہ سلجھاؤ کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آ رہی۔ اس صورت حال کے اصل ذمہ دار ہمارے ملک کے وہ ''ناخدا'' ہیں، اہل مغرب جن کے خدا ہیں۔

شاہ جی نے اکثر کالم ''یک مصرعی عنوان'' کے تحت لکھے۔ ان کالموں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ شاہ جی کا علمی وادبی معیار اور ذوقِ شعری کس قدر بلند اور معیاری تھا کہ بیک وقت میر، غالب، اقبال اور فیض کے کلام سے نہ صرف وہ خود لطف اندوز ہوتے بلکہ اپنے قاری کو بھی ساتھ لے کر چلتے۔ تاکہ قاری کی نظریاتی اور فکری تربیت کی جا سکے۔ مثلاً:

ع پھر تیر ہے، تلوار ہے، نیزے کی اَنی ہے
ع اسے تو عشق بہت حرمت قلم سے تھا
ع بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
ع تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
ع تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
ع ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا
ع اس جانے کو کیا کہیے؟ اس آنے کو کیا کہیے؟
ع کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
ع شکوۂ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن

جیسے مصرعوں سے شاہ جی کی شوخیاں جھلکتی ہیں۔

شاہ جی کی نثر میں خطیبانہ آہنگ اور ادیبانہ رنگ پورے وقار اور جوش وجذبہ سے جلوہ افروز ہے۔ جس میں Hidden Charms بھی ہیں اور خطابتی شہ پارے بھی۔ اسلوب کی روانی بھی ہے اور بیان کی رعنائی بھی۔ ان کی نثر میں وہ جملہ فنی محاسن بھی ملتے ہیں جو کلاسیکی نثری روایت کا حصہ ہیں۔ لیکن یہ صنعتیں صرف خالی صنعت سازی نہیں ہے۔ یہ کسی طور بھی معنی اور ابلاغ کا خون نہیں ہونے دیتیں:

> ''ان اقتداریوں کی مکاریوں، فنکاریوں، جعلسازیوں، غدّاریوں اور خباثتوں کا آشرم وہی ''ایوان'' ہے جس میں داخلہ کے لیے ضروری ہے کہ آدمی روٹی کپڑا مکان کی سیاست میں اُتارو ہو، سوشل کنٹریکٹ کا ماہر ہو، بلیکیا ہو، بلیک ہارس کا پتھریلا بیٹا ہو، علاقائیت کی لعنت کا طوق گلے میں ڈال سکتا ہو، بنگلہ دیش بنا سکتا ہو، ڈھیٹ ہو......اور بے حیا ہو!'' (نہ جا اُس کے تحمل پر......!)

اس پیراگراف میں بیک وقت صنعتِ جمع، یا حرفی تماثل (Allitration)، تلمیح، محاورہ، تجنیس، آہنگ جیسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوبیوں کے ساتھ ساتھ جدید علامت سازی بھی ہے۔

شاہ جی غیر جانبدار ہوکر لکھتے ہیں۔ وہ ضمیر فروش سیاست دانوں، لفظ فروش واعظوں اور پیرانِ تسمہ پا کے عماموں کے تارو پود اکھیڑتے چلے جاتے ہیں۔ وہ معاشرے کی بے حسی و بے چارگی، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم، پسماندہ طبقے کی مزید پسماندگی، عورت کی ذلت ورسوائی اور مظلومیت، سیاسی اکھاڑوں میں کھیلتے ہوئے وطن فروش کھلاڑیوں اور وعظ فروش ''ملائے حزیں'' کو اپنے شرر بار قلم سے رگیدتے ہیں۔ وہ تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تنقید برائے اصلاح کرتے ہیں۔ تاکہ معاشرے اور فرد کی اصلاح کسی طرح ممکن ہوسکے۔ وہ معاشرہ جو پہلے ہی اخلاقی و معاشرتی پسماندگی اور ظالمانہ نظامِ ریاست وسیاست میں جکڑا ہوا ہے۔

شاہ جی نے خطابت کا فیض اپنے والد، برصغیر کے خطیبِ اعظم سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے حاصل کیا۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام آزاد اور چودھری افضل حق کے اسلوبِ تحریر کے آستانے کو اپنے قلم کی سجدہ گاہ بنایا۔ انھوں نے جو بات کہی وہ اس پر پوری جرأت واستقامت اور بے باکی سے بغیر کسی خوف وخطر اور لالچ و مصلحت کے ڈٹ گئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قلم کی لغزش سے فکر ونظر کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ اور خیالات کو فراز سے نشیب میں آتے ہوئے لمحے بھر کا کھیل ہوتا ہے۔

ضیاء شاہد (چیف ایڈیٹر روزنامہ ''خبریں'') شاہ جی کی کالم نگاری کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''سید عطاء المحسن بخاری ایک مکمل کالم نگار تھے۔ زبان، لغت، اصطلاحات، روزمرہ، محاورے، ضرب الامثال، سلاست اور روانی میں جو کمانڈ انھیں حاصل تھی وہ میں نے کسی اور کالم نگار میں نہیں دیکھی۔ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار پوری جرأت کے ساتھ کرتے۔ انھوں نے کالم نگاری کو بطور پیشہ کے نہیں بلکہ بطور مشن کے اختیار کیا۔ وہ ایک عرصے تک ''خبریں'' کے لیے بلا معاوضہ لکھتے رہے۔ وہ اپنے فکر ونظریہ اور موقف کے ساتھ بہت مخلص تھے۔''

شاہ جی کی نثر میں طنز کی ہلکی ہلکی کاٹ ہے۔ ان کے اندازِ بیان کی دلکشی اور لطافت کا یہ عالم ہے کہ کسی جگہ بھی بے محل موشگافی، بے مقصد طعن وتعریض یا محض زبان درازی کا گمان نہیں ہوتا۔ ان کے طنز کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ تیرِ نیم کش ہی رہتا ہے۔ طنز نگاری میں استدلال، برجستگی اور گرد وپیش کے حالات و موثرات کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔

> ''یہ سب ان خون آشام سرمایہ داروں اور وحشی جاگیرداروں کی کارستانیاں ہیں۔ یہ ابلیس صفت، خبیث وڈوں ہمت، کج نہاد، بدقماش، سیاست کے فرزند ناہموار ۴۹ برس سے یہی لچھن دکھا رہے ہیں۔ اب تو حد ہوگئی ہے۔ اب تو ان کا احتساب ہونا ازبس ناگزیر ہے۔'' (احتساب واحتساب واحتساب!)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسوانیت سے تہی داماں اور عریانیت سے لبریز'' آزادیِ نسواں'' کی علمبردار'' خواتین خانہ خراب'' کو کس طرح رگیدتے ہیں:

''آزادیٔ نسواں کی علم بردار خواتین آزادی کے نام پر آوارگی، بے ہنگم پن، کفار و مشرکین کی بدچلنی، بدتہذیبی اور...... ''لغو بغو'' عورتوں کی بھونڈی نقل کے سوا کیا جانتی ہیں؟ انگریزی اردو کے چند اچھلتے الفاظ بول لینے کا نام تو جاننا نہیں۔ حماقتیں اور مزید حماقتیں اور ان کا تسلسل...... اس کا نام آزادی نہیں آوارگی ہے۔'' (قربان جانے والوں کے قربان جایئے!)

شاہ جی کی نثر میں ہمیں اچھوتی اور منفرد تراکیب بھی ملتی ہیں۔ مثلاً: حبیثانِ عجم، خنگِ بے لگام، فرزندِ ناہموار، نفسِ کثیف، طعنۂ ارتقاء، کودکِ ناداں، دہلیزِ بیت المعمور، آبروئے مدام، غلامیٔ اہرمن، روحِ عصر، لبادۂ حیا، غولِ خسیس، زنانِ فاحشہ، مردودومرتاب، ماورائے حدِ امکاں، خواتینِ خانہ خراب، دلیلِ بے وکیل، حصۂ اسفل، جبلّتِ خبیثہ، جلوۂ جاں نما، باقیاتِ افرنگ جیسی شاندار اور منفرد تراکیب سے اسلوب میں جدت اور تفرد پیدا ہوا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں شاہ جی کسی نعمت سے کم نہ تھے۔ اب تو قدرت نے وہ سانچہ ہی توڑ دیا ہے جس میں اس قسم کے لوگ ڈھلا کرتے تھے۔ ایسے خورشید صفت لوگوں کی تحریریں آج بھی موجودہ حالات پر پوری طرح منطبق ہوتی ہیں اور جن کا اسلوبِ تحریر بڑے بڑے لکھنے والوں کو نہ صرف فکر و تدبر کی نئی منزلیں دکھاتا ہے بلکہ عام قاری کو زندگی کا مقصد بھی بتاتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ یوں مر کے فنا ہوتے ہیں
میں بقا ہوں، میں بقاؤں میں بکھر جاؤں گا
میں وہ آنسو ہوں جو پتھر کو بھی پگھلا دے
میں سمندر ہوں، میں موجوں میں بچھر جاؤں گا
لوگ کیا جانیں کہ اللہ سے تعلق کیا ہے
اس تعلق سے تو میں پل سے گزر جاؤں گا

شاید شاہ جی جیسے لوگوں کے بارے میں ہی ذوقؔ نے کہا ہوگا۔

ذوقؔ اس بحرِ جہاں میں کشتیٔ عمرِ رواں
جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارا ہو گیا

© rasailojaraid.com